علّامہ اقبال کا پیغام اُمّتِ مُسلِمہ کے نام

۹ نومبر ۸۴ء کو "یومِ اقبال" کے سلسلہ میں "مرکزیہ مجلس اقبال" کے زیرِ اہتمام واپڈا آڈیٹوریم میں لیفٹیننٹ جنرل جناب سعید قادر صاحب سابق مرکزی وزیر برائے پیداوار کی زیرِ صدارت ایک تقریب منعقد ہوئی تھی، جس کی حاضری آٹھ سو افراد سے بھی متجاوز تھی۔ اس مجلس میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جو تقریر کی تھی اُسے کیسٹ سے منتقل کر کے معمولی حک و اضافہ کے ساتھ استفادۂ عام کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

الحمد للہ وکفٰی والصّلوٰۃ والسّلام علٰی عبادہ الّذین اصطفٰی خصوصًا علٰی افضلھم وخاتم النبیّین محمدؐ الامین وعلٰی آلہ وصحبہ اجمعین۔

امّا بعد

محترم صدرِ مجلس، معزز حاضرین و محترم خواتین!

علّامہ اقبال کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے قریبًا نصف صدی ہونے کو آ رہی ہے اس دوران نہ معلوم دنیا میں کس کس مقام پر ہر سال 'یومِ اقبال' منایا جاتا رہا ہے۔ بلکہ علّامہ کی ذات تو ان شاذ ہستیوں میں سے ہے جن کا یوم ان کی اپنی زندگی ہی میں منایا گیا۔ یہ سلسلہ ان کی زندگی سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے۔ لیکن میں ادب سے گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دن اگر ہم علّامہ مرحوم کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے منائیں تو یہ اس کا صحیح مصرف نہیں ہے۔ جہاں تک علّامہ مرحوم کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں اتنا کچھ لکھا اور اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ میرے نزدیک اس میں کسی اضافے کی شاید ہی کوئی گنجائش ہو۔ یقینًا اس قسم کی مجالس کے انعقاد کا صحیح مصرف وہ ہوگا جس کا ذکر پروفیسر مرزا منوّر صاحب نے کیا کہ علّامہ کے چند اشعار خاص طور پر وہ اشعار جو قرآنِ حکیم ہی کے پیغام کا انعکاس ہیں اگر حاضرین کے اذہان و قلوب میں جاگزیں کرا دیئے جائیں تو واقعتًا اس نوع کی

مجالس کی افادیت مسلّم ہو گی۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر میں آج یہ چاہتا ہوں کہ علامہ مرحوم کے افکار کے پس منظر میں ہم اپنا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں!

علامہ مرحوم نے ایک خواب دیکھا تھا۔ اس خواب کی تعبیر پاکستان کی شکل میں منصۂ شہود پر آئی۔ اگرچہ وہ پاکستان جو ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا وہ آج موجود نہیں ہے لیکن میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ اس وقت جو کچھ موجود ہے وہ بھی بہت غنیمت ہے۔ بلکہ علامہ نے ۱۹۳۰ء کے خطبے میں جو خیال ظاہر کیا تھا اس میں "An Independent Muslim state at least in the North west of India." کے الفاظ موجود تھے۔ لہٰذا ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ کم از کم شمال مغربی انڈیا کے علاقے میں یہ پاکستان موجود ہے۔

لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس طرزِ عمل کی وجہ سے وہ عظیم تر پاکستان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا تھا۔ آج موجود نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ وہی طرزِ عمل جاری رہا جو عظیم تر پاکستان ٹوٹنے کا باعث بنا تھا تو اندیشہ ہے کہ یہ پاکستان بھی نہیں رہے گا۔ زمینیں ختم نہیں ہوا کرتیں، وہ موجود رہتی ہیں۔ بنگلہ دیش ہے، اور ان ہی سرحدوں کے ساتھ ہے لیکن پاکستان کا نام اس کی پیشانی سے مٹ چکا ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا! قرآن مجید میں بار بار کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ ہمارے اپنے کرتوت، ہمارے اپنے اعمال اور ہماری اپنی کوتاہیاں ہیں جن کی سزا اللہ ہمیں دیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سقوطِ مشرقی پاکستان اس سزا کی قسطِ اوّل تھی۔ سورۂ الٓمٓ السجدہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ اہم قانون بیان فرمایا ہے:

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ٥

اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت رہی ہے کہ کسی آخری اور فیصلہ کن عذاب سے پہلے کوئی چھوٹا عذاب بھیجتا ہے تاکہ جو لوگ جاگ سکتے ہوں وہ جاگ جائیں جو ہوش میں آ سکتے ہوں وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن اگر وہ چھوٹا عذاب بھی خوابِ غفلت سے بیدار نہیں کر پاتا تو پھر آخری اور فیصلہ کن عذاب اللہ صادر فرماتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے ابھی مرزا منوّر صاحب کی تقریر میں سنا کہ اللہ صرف رحیم نہیں ہے، وہ قہار بھی ہے۔ قرآن اس کی صفت منتقم بھی بیان کرتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔

لہٰذا میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ یہ پاکستان یقیناً علامہ اقبال مرحوم کے

خواب کی تعبیر اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن یہ کہ پاکستان میں جو نظام ہمیں اب تک قائم کرچکنا چاہیئے تھا۔ صورتِ حال یہ ہے کہ اس کے بارے میں اب تک قیل وقال ہے، بحث و تمحیص ہے۔ مناظرے ہیں، مباحثے اور مذاکرے ہیں لیکن ان کا کوئی ہدف معیّن نہیں ہے۔ عملی پیش رفت نہ ہونے کے برابر ہے ــــ اس ضمن میں علامہ مرحوم کے اشعار جو ان کی اردو اور فارسی کی نو دس کتابوں میں پھیلے ہوئے ہیں، ظاہر بات ہے کہ ان سب کا اس مختصر سے وقت میں جائزہ لینا ممکن نہیں ہے۔ البتہ علامہ کے آخری دور کی نظموں میں سے 'ابلیس کی مجلسِ شوریٰ' اس اعتبار سے بہترین نظم ہے کہ ایک تو ۱۹۳۶ء کی لکھی ہوئی ہے۔ یعنی انتقال سے سال ڈیڑھ سال قبل ــــ دوسرے یہ کہ اس کا اسلوب فلسفیانہ نہیں ہے بلکہ نہائت سادہ وسلیس اور بالکل نئے اسلوب و انداز سے ایک پیغام پہنچایا ہے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس نظم میں علامہ نے ابلیس کے مشیروں کی گفتگو اس انداز سے نقل کی ہے کہ وہ اسے ڈرا رہے ہیں کہ ایک طرف مزدکیت (یعنی اشتراکیت) آرہی ہے دوسری طرف سلطانئِ جمہور کا دور شروع ہوچکا ہے۔ یہ دونوں نظام ہائے فکر ہمارے لئے خطرات کے حامل ہیں۔ تو علامہ مرحوم ابلیس کی زبان سے کہلواتے ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز میرے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے سیکولر ڈیماکریسی ہو یا سیکولر سوشلزم ہو یا یوں کہئے کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت ہو یا اشتراکی جمہوریت ہو، ان میں سے کسی سے ابلیس کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحرگاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایّام ہے'
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے!

اس کے بعد اس نظم کے جو چند بند ہیں میں سمجھتا ہوں کہ 'پیغامِ اقبال بنام اُمّتِ مسلمہ' کے مضمون کے اعتبار سے وہ اہم ترین بند ہیں۔ ایک طرف ہماری حالت کا صحیح صحیح تجزیہ ہے۔ چنانچہ علامہ ابلیس کی زبان سے کہلواتے ہیں ؎

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں!

دوسری طرف ابلیس اپنے اندیشے کا اظہار اس طرح کرتا ہے ؎

عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

یہ شرعِ پیغمبرؐ جس سے ابلیس کانپ رہا ہے اور لرز رہا ہے اس کی توضیح ابلیس ہی کی زبان سے علامہ یوں کراتے ہیں۔

ع: الحذر! آئین پیغمبر سے سو بار الحذر!

میں جب بھی ان اشعار پر غور کرتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ انسان کی حیاتِ اجتماعیہ کے جو اہم ترین پہلو ہیں یا جنہیں ہم 'درجوں' سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں ان کے متعلق چند اشعار میں علامہ نے ابلیس کی زبانی فیصلہ کن بات کہلوا دی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ انسانی اجتماعیت کا آغاز ایک کنبہ یعنی ایک Family سے ہوتا ہے جو عائلی نظام اجتماعیت کی اساس اور بنیاد ہے۔ اسی سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اسی سے ملحق معاشی اور اقتصادی مسائل ہیں، پھر اجتماعیت کی بلند ترین سطح پر ریاست کا تصور ہے۔ اس کو چلانے کے لئے اس کا انتظامی ادارہ یعنی حکومت ہے۔ ایک ایک شعر میں علامہ مرحوم نے ان تینوں کے بارے میں جو بات کہی ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہ ان کے پیغام کا عطر و جوہر ہے۔ ابلیس کی زبانی کہلواتے ہیں ع

الحذر! آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر

اس آئینِ پیغمبرؐ کے بارے میں اب پہلی بات سنئے ع

حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں

یہ ہے درحقیقت اجتماعیتِ انسانیہ کا پہلا اصول، سب سے اہم مرحلہ —— اس میں اگر توازن نہ رہے اور وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ٥ والی بات اگر یہاں خراب ہو گئی تو ساری میزان تلپٹ ہو جائے گی۔ اگر اس خاندان کے ادارے، اس گھر کی دنیا میں توازن نہ رہا، یہاں کا

نظام اگر مستحکم نہ رہا تو پورے معاشرے کے اندر عدم استحکام رہے گا۔ اگر یہ ادارہ منظم ہو گا تو پورا معاشرہ منظم ہو گا۔ اس میں فساد ہو گا تو پورے معاشرے میں فساد رونما ہو جائے گا۔ اس مسئلہ پر میں مزید کچھ کہنا نہیں چاہتا اس لئے کہ مساواتِ مرد و زن کا مسئلہ آج کل ہمارے یہاں موضوع بحث بنا ہوا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا ہے۔ بہرحال اس موضوع پر علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، انہیں یکجا کر کے شائع کیا گیا ہے اور یہ کام میں نے انجام نہیں دیا ہے بلکہ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہ العالی نے یہ اشعار اپنی ضخیم کتاب "نقوشِ اقبال" میں "عورت، اقبال کے کلام میں" کے عنوان کے تحت جمع کئے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ علمائے کرام کے حلقے میں علامہ کے سب سے بڑے مداح مولانا علی میاں ہیں۔ اس بات کا مولانا موصوف نے برملا اظہار کیا ہے۔ مولانا محترم کی اس کتاب میں سے "عورت، اقبال کے کلام میں" والا باب[1] ہم نے علیحدہ طبع کر کے ایک ہدیہ کی شکل میں آج کی اس محفل کے شرکاء میں تقسیم کر دیا ہے۔ آپ حضرات سے درخواست ہے کہ اس کا ضرور مطالعہ کیجئے ___ ابھی آپ نے پروفیسر مرزا منور صاحب سے بہت ہی عمدہ بات سنی ہے کہ مغربی تہذیب کے بارے میں حضرت علامہ کا کہنا یہ ہے اور اسی کا ذکر علامہ کے لیکچرز میں بھی ملتا ہے کہ اس تہذیب کا ایک INNER CORE ہے، اس کا مغز ہے۔ یہ INNER CORE قرآن حکیم کا عطا کردہ ہے جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، مسلم شریف کی روایت ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ۔ میرے نزدیک وہ یہاں بھی صحیح ہے کہ اگر اقوام مغرب ابھری ہیں تو اس لئے ابھری ہیں کہ انہوں نے قرآنِ مجید کی ایک چیز کو اپنایا ہے ___ اور وہ چیز کیا تھی؟ توہمات کا خاتمہ اور مشاہدے پر دارومدار رکھتے ہوئے اپنے موقف کو قائم کرنا۔ یہ ہے وہ چیز جس سے سائنس کا آغاز ہوا۔ منطق کو استخراج کی پیچیدگیوں سے نکال کر استقرار کے وسیع ترمیدان میں لے آنا۔ یہ ہے وہ کارنامہ جو قرآن مجید نے سرانجام دیا۔

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ!

---

[1] یہ باب ڈاکٹر صاحب موصوف کے خطاب بعنوان "اسلام میں عورت کا مقام" میں بطور ضمیمہ شامل ہے۔ (مرتب)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ
الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ
وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○

ان آیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ، ان سے قوانینِ فطرت کا استنباط اور ان کا استعمال، یہ رُوح درحقیقت قرآن نے بیدار کی۔ مغرب نے اس کو اچک لیا۔ ہم مغرب کو بیدار کر کے خود سو گئے۔ لیکن مغرب میں اس کے ساتھ ہی ایک ایسی تہذیب بھی پروان چڑھی، جسے علامہ اپنے اردو کلام میں کہتے ہیں ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اور اسی مفہوم کو علامہ نے اپنے لیکچرز کے شروع میں ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔
"The Dazzling exterior of the present Western Civilization" - لہٰذا ضروری ہے کہ Dazzling Exterior سے بچ کر اس تہذیب کے اصل CORE کی طرف توجہ کی جائے۔ اس کے بغیر فی الواقع ہم اس راستے پر نہیں چل سکتے جو قرآن حکیم نے دکھایا تھا اور جسے علامہ اقبال نے ہمیں یاد دلایا۔

اب آگے چلئے۔ سیاسی سطح پر علامہ نے جمہوریت کی بڑی نفی کی ہے اس پر پھبتیاں بھی چست کی ہیں کہ ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس سے جو مغالطے لوگوں کو ہو گئے ہیں، وہ درست نہیں ہیں۔ علامہ نے دراصل مغربی طرزِ فکر کی جمہوریت کی نفی کی ہے۔ ورنہ فی نفسہٖ جمہوریت نے انسان کو حریتِ نفس دی ہے۔ حقوق دیئے ہیں، حریت بخشی ہے۔ یہ تمام چیزیں وہ ہیں جو قرآن عطا کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ ہی اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ اندر دلش
حریت سرمایۂ آب و گلش!!

ناشکیب امتیازات آمدہ !! در نہادِ او مساوات آمدہ

قرآن کی یہ تعلیم بھی تو ہے۔ وہ حریت، وہ آزادی کہ ایک گورنر نے اپنے گھر کے ساتھ ایک ڈیوڑھی بنوالی تھی اور ایک دربان کھڑا کر دیا تھا تو حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان پہنچ گیا کہ "لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا۔ تم نے ان کو اپنا غلام کب سے بنا لیا!" یہ آزادی تھی جو قرآن نے دی تھی۔ اسی سے علامہ اقبال آئین پیغمبری کی شرح میں ابلیس کی زبان سے کہلوا رہے ہیں ؎

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں

جب تک یہ نظام وجود میں نہیں آتا۔ دنیا میں صحیح معنوں میں امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ اسی کو علامہ نے ایک دوسرے مقام پر یوں بیان کیا ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تعبیرات کے دائرے کے باہر کوئی فردِ واحد اقتدار کی کرسی پر اس بات کا مدعی بن کر نہیں بیٹھ سکتا کہ اختیار میرا ہے۔ چنانچہ اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے اصول پر کاروبار اور انتظام حکومت چلانا اسلام کے مطابق ہوگا۔ اس دائرے کی تشکیل کے لئے عوام کے نمائندوں کے انتخابی عمل کو آپ چاہے جمہوریت کے نظام کا نام دیجئے اور چاہیں تو شورائیت کا۔ اسی طرح منتخب ادارے کو شوریٰ کہیں چاہے مجلس ملی کہیں۔ البتہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اور اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے دائرے کو پھلانگ نہیں سکتے اس کے اندر اندر رہتے ہوئے اب تک فکرِ انسانی اور تمدن کا جو بھی ارتقاء ہوا ہے اس کے مطابق اور اس کے اعتبار سے جو بھی اعلیٰ ترین ریاست ہو سکتی ہے وہی اسلامی ریاست ہوگی۔ اس ریاست کی مقننہ پر البتہ یہ پابندی ہوگی کہ قانون سازی کا اس کا اختیار محدود رہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور حدود سے کسی طور پر بھی تجاوز نہیں کر سکتی۔ اگر ہم اس طرف پیشقدمی نہیں کریں گے اور اس کے برعکس کوئی نظام لانا چاہیں گے تو گویا یہ ہم

درحقیقت علامہ کے خواب سے ایک برگشتہ راستہ اختیار کریں گے۔

آگے چلئے۔ کون نہیں جانتا کہ اجتماعیتِ انسانی کا ہمیشہ سے ایک اہم شعبہ اقتصادیات رہا ہے۔ علامہ مرحوم کا اس اعتبار سے معاملہ بڑا عجیب رہا ہے۔ ہمارے علماء کرام اور وہ حضرات جو 'دینی دانشور' مشہور ہیں، واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے 'اقتصادیات' کو کچھ زیادہ موجب اعتناء نہیں سمجھا۔ لیکن علامہ کی جو پہلی تصنیف تھی، وہ اسی موضوع پر تھی۔ پھر یہ کہ اس دور میں اس نے جو اہمیت اختیار کر لی ہے علامہ اس سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا اس میدان میں جتنا بلند، واضح، درنکھرا ہوا فکر علامہ نے ہمیں دیا ہے اگر ہم نے اس کی طرف پیش قدمی نہ کی، صرف چند قوانین اور چند تعزیرات کو بدل کر ہم نے یہ سمجھا کہ اسلامی نظام قائم ہو گیا ہے تو یہ بہت بڑا مغالطہ ہے۔ چونکہ درحقیقت جو اصل نظام ہے اس کی جڑ اقتصادیات پر قائم ہے۔ وہ اگر جوں کا توں رہے اور جیسا کہ علامہ کا یہ شعر میں آپ کو سنا چکا ہوں ؎

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں — ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

آج اگر ہم نے اسی سرمایہ دارانہ نظام کو تھوڑی سی ظاہری ٹیپ ٹاپ کے ذریعے سے اور کچھ لیبل بدل کر عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ نظام بدل گیا۔ اسلام آگیا۔ تو مجھے اندیشہ یہ ہے کہ قوم اسلام سے برگشتہ اور مایوس ہو جائے گی۔ جب تک جو اصل الاصول ہے اسی کو ہم نافذ نہ کریں۔ اب دیکھئے علامہ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں ؎

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف

منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

دولت آلودگی سے پاک و صاف کیسے ہوگی جب تک کہ کمانے کے جو ذرائع حرام ہیں، ان کو بند نہ کیا جائے۔ اگر حرام کمائی کے تمام ذرائع کھلے ہوں اور اس کی بدولت جو گندگی بنک میں جمع ہو گئی ہو، اس میں سے ڈھائی فیصد کاٹ لیا جائے اور تشہیر کر دی جائے کہ زکوٰۃ کا نظام قائم ہو گیا ہے تو یہ اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ کمائی کے حرام ذرائع کو سب سے پہلے بند کرنا ہوگا۔ ع "کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک!" آلودگی کونسی ہے! پیسے میں تو کوئی آلودگی نہیں ہے۔ مجھے اس موقع پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ پچھلے زمانے کی بات ہے۔ لوگ سادہ لوح ہوتے تھے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ ہمارے ہی عزیزوں میں ایک بزرگ تھے۔ جنہوں نے حج کے لئے روپیہ جوڑا تھا۔ لیکن اس میں رشوت وغیرہ کی رقم بھی شامل تھی تو انہوں

نے کہا کہ میں روپے لے کر بنک جا رہا ہوں وہاں سے بدلوا کر نئے نوٹ لے آؤں گا اور ان سے حج کروں گا۔ دنیا میں یہ تماشا جو ہوتا رہا ہے آج بھی دہرایا جا رہا ہے ـــــ علامہ کہتے ہیں:

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک۔ وصاف

پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ بیع وشراء کے کتنے طریقے حرام ہیں جو مروّج ہیں۔ ہمارے یہاں کے صنعت کار اور تجّار مسجدوں اور دارالعلوموں کے لئے چندے دینے کے لئے تیار ہیں لیکن اس جانب عموماً توجہ کم دی جاتی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ یہ رقم جن ذرائع سے حاصل کی گئی ہے۔ وہ اسلام کی رو سے حلال ذرائع ہیں یا حرام! جب بھی مجھے اربابِ حل وعقد میں سے کسی ذمہ دار شخصیت سے ملنے کا اتفاق ہوا تو میں نے عرض کیا کہ ایک کمیشن بنائیے جو جائزہ لے کہ معاشرے میں لین دین کے جو طریقے رائج ہیں ان میں حلال کون کون سے ہیں اور حرام کون کون سے!

منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

مال و دولت کے ضمن میں امانت کا تصوّر یہ ہے کہ اس میں تصرّف شرعِ مبین کے مطابق ہو۔ شیخ سعدیؒ نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ؎

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست
در حقیقت مالکِ ہر شے خداست

آگے چلئے۔ اسی نظم میں ابلیس کی زبان سے علامہ کہلواتے ہیں ؎

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر وعمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

یہ بات جان لیجئے کہ ہمارے ملک کی قسمت جو بدل نہیں پا رہی اس کی وجہ یہ ہے کہ چند پیرِ تسمہ پا ہیں جو آزادی کے وقت سے ایوانِ اقتدار پر مسلط چلے آ رہے ہیں۔ لیبل بدلتے ہیں۔ کبھی ایک پارٹی کا کبھی دوسری پارٹی کا لیکن شخصیتیں وہی ہیں۔ اگر کہیں فرق واقع ہوتا ہے تو یہ کہ باپ کی جگہ بیٹا، چچا کی جگہ بھتیجا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ـــــ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ وہ زمینداری کا نظام جوں کا توں قائم ہے، اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ اب آپ علامہ اقبال کے کلام کو پڑھیں، ان کے اشعار گنگنائیں۔ ان کو ذرائعِ ابلاغ پر پیش کریں لیکن علامہ کے وہ اشعار کبھی سننے سنانے میں نہ آئیں، جن میں اس نظامِ زمینداری پر علامہ نے بھرپور تنقیدیں کی ہیں۔ میری نظر سے جب پہلی بار یہ اشعار گزرے تو یقین

کیجئے میں کانپ گیا تھا ؎

خدا آں ملت را سروری داد — کہ تقدیرش بدست خویش بنوشت
بآں قومے سروکارے نہ دارد — کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

ذرا دوسرے شعر پر اپنی توجہات کو مرتکز کیجئے۔ جس قوم کا دہقان دوسروں کے لئے کاشت کاری کر رہا ہو، اللہ کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔[1]

یہ ہے پیامِ اقبال۔ یہ دو سود ہیں جو ہم پر مسلط ہیں۔ ایک نقد کا سود ہے، دوسرا زمین کا سود ہے۔ جب تک یہ دونوں سود ختم نہیں ہوں گے اور ان کی جڑیں نہیں کٹیں گی۔ سرمایہ داری حقیقی اسلام کی راہ میں سنگِ گراں بنی رہے گی۔ حرام ذرائع میں ام الخبائث ہے سود! ہمارا سارا اقتصادی نظام چاہے وہ کاشت کاری کا ہو، درآمد و برآمد کا ہو، صنعت و تجارت کا ہو، بنک کاری کا ہو، وہ سب کا سب سود پر چل رہا ہے۔ علامہ اقبال نے اس سود کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ؎

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن! — کس نداند لذتِ قرضِ حسن

اس ربا (سود) کے باطن سے تو صرف فتنے ہی برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ قرضِ حسن کی لذت سے (افسوس) کہ کوئی واقف نہیں (علامہ نے سود کے مقابلے میں قرضِ حسن کو متعارف کرایا ہے)۔

از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ — آدمی درندہ بے دندان و چنگ

اس سود کی وجہ سے روح میں تاریکی آجاتی ہے اور دل پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔

---

[1] ساتھ ہی علامہ کے اسی موضوع پر اردو کے بھی چند اشعار سن لیجئے۔ فرماتے ہیں ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟ — کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار؟ — خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟ — موسموں کو کس نے سکھلائی ہے یہ خوئے انقلاب؟

دِہ خدایا[2] یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں

[2] یہاں دِہ خدایا سے مراد مالک زمین ہے (مرتب)

انسان کے اگرچہ چیر پھاڑ والے دانت اور پنجے نہیں ہوتے لیکن سود خواری کی وجہ سے آدمی درندہ صفت بن جاتا ہے۔

جب تک یہ سودی نظام بالکلیہ ختم نہیں ہوگا اس کو بیخ و بن سے اکھاڑا نہیں جائیگا پاکستان میں حقیقی نظامِ اسلامی کا نفاذ امید موہوم ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ ہمارے یہاں ایسے لوگ موجود ہیں، جن میں یہ ہمت ہے کہ غلط بات کو دلائل کے ساتھ غلط کہیں۔ علماءِ کرام کے حلقے میں بھی ایسے بزرگ بحمد اللہ موجود ہیں جو خیر خواہی اور نصح کے جذبے کے ساتھ غلط اقدامات کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ پھر ہمارے یہاں دینی مزاج رکھنے والے جو اعلیٰ ماہرینِ اقتصادیات ہیں، ان کی آراء سامنے آ چکی ہیں کہ موجودہ بنکاری کے نظام میں سرسری اور معمولی تغیر و تبدل سے اگر یہ سمجھا جائے کہ سودی نظام ختم ہوگیا یا قریب الختم ہے تو یہ بہت بڑا مغالطہ ہے۔

رہا زمینداری کا معاملہ تو اس طرف تو ابھی کوئی توجہ ہے ہی نہیں۔ علامہ اقبال کے محبان کی بھی علامہ کی "انقلاب" والی نظم پر شاید ہی توجہ مرکوز ہوئی ہو جو زبورِ عجم میں شامل ہے۔ اس نظم کا پہلا بند یہ ہے۔

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب
انقلاب
انقلاب ! اے انقلاب !

ایک بند کے اندر علامہ اقبال نے دونوں سود جمع کر دیئے ہیں جب تک ان کی جڑ نہیں کٹے گی نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آئے گی۔

ایک بات مزید عرض کر دوں۔ وقت میرے پاس بھی کم ہے اور آپ کے پاس بھی۔ وہ یہ ہے کہ یہ انقلاب آئے گا کیسے!! انقلاب کا نام لینا آسان ہے، اسے عملاً برپا کرنا مشکل ہے۔ اس لئے کہ ان چیزوں کو نعرہ بنا کر کوئی تحریک شروع کر دی تو اس کے نتیجے میں پھر کوئی اور انقلاب آئے گا، مادی انقلاب تو آ سکتا ہے۔ وہ سیکولر سوشلزم کا انقلاب ہو سکتا ہے۔ اسلامی سوشلزم کا انقلاب اس طور سے نہیں آ سکتا۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ علامہ نے کتنی عمیق نظر پائی تھی۔ وہ واقعتہً ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ انہوں نے تو مرزا غالب کے متعلق کہا تھا ؎

فکرِ انساں پر تیری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرِ مرغِ تخیّل کی رسائی تا کجا!

میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ شعر خود علامہ کے لئے درست ہے۔ انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ کیسے کیسے مضامین کو کتنی خوبصورتی، سلاست اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ اپنی شاعری میں سمویا ہے ـــــ اسلامی انقلاب کے دو مرحلے ہیں اور ان دونوں کو ایک شعر میں بیان کر دیا ـــــ پہلا مرحلہ ہے کہ

بانشۂ درویشی درساز و دمادم زن

اگر فقر نہیں ہے درویشی نہیں ہے۔ اگر آپ خود اللہ کے بندے نہیں بنے ہیں۔ اگر آپ اپنے وجود پر اللہ کے دین کو قائم نہیں کر چکے ہیں تو میدان میں آنا بیکار ہے، لاحاصل ہے اس سے فساد رونما ہوگا اس کے سوا کچھ بھی نہیں ـــــ پہلا مرحلہ مکی دور کے بارہ سالوں پر محیط مرحلہ، جس میں تربیت تھی، تزکیہ تھا، جس میں تیار کیا جا رہا ہے۔ جس میں نظم وضبط کا خوگر بنایا جا رہا تھا۔ ذرا اندازہ کیجئے اس سے سخت حکم کوئی اور ہو سکتا تھا! صحابۂ کرام کو حکم تھا کہ ماریں کھاؤ، ہاتھ مت اٹھاؤ، تمہیں دہکتے انگاروں پر لٹایا جائے تو لیٹ جاؤ Retaliate نہیں کر سکتے۔ اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ بارہ برس تک Order of the day یہ رہا ہے۔ یہ تھی صحابہ کرامؓ کی جماعت ـــــ اکبر الہ آبادی نے کہا ہے ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل! جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر تعمیر نہ کر بنیاد نہ رکھ

اور یہ خشت بنائی ہے جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ یہ امرِ واقعہ ہے۔ حضرتِ خبابؓ ابن ارت کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا ہے۔ ایک Desperate انسان، جس کو معلوم ہو کہ یہ مجھے کباب بنانے چلے ہیں، اجازت ہو تو کم از کم دو چار کو تو مار کر مرتا۔ اجازت نہیں ہے۔ کُفُّوٓا اَیۡدِیَکُمۡ۔ ہاتھ باندھے رکھو۔ یہ اصل میں بنیادی مرحلہ ہے، جسے ہم نظر انداز کرتے ہیں اور مدنی دور نگاہوں میں آجاتا ہے۔ سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ مطالعہ نہایت ناقص ہے۔ اس سے بڑے بڑے مغالطے لاحق ہوتے ہیں ـــــ آج کچھ مرشدوں کے ذکر سے بات شروع ہوئی تھی۔ جناب مجید نظامی نے جناب مرزا منور صاحب کو اپنا مرشد مانا ہے اور مرزا صاحب حضرت علامہ مرحوم کو اپنا مرشد مانتے ہی ہیں۔ تو علامہ نے اکبر الہ آبادی کے انتقال پر ان کے صاحبزادے کو جو تعزیتی خط لکھا تھا تو اس میں یہ الفاظ

ہیں کہ "میں آپ کے والدِ مرحوم کو اپنا معنوی مرشد تسلیم کرتا ہوں"۔ یہ اکبر الہ آبادی ہیں جو کہتے ہیں ؎

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے!
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

یہ غارِ حرا کی تنہائیاں۔ وہاں کے مراقبے۔ وہ تھے جنہوں نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ پاور ہاؤس بنا دیا تھا کہ جس نے پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شخصیتوں میں کرنٹ دوڑا دیا۔ اور کرنٹ کیسا دوڑایا کہ دشمنوں نے یہ گواہی دی کہ: ھُمْ رُھْبَانٌ بِاللَّیْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّھَارِ" یہ رات کے راہب ہیں، دن کے شہسوار ہیں"۔ میں اس موقع پہ علامہ کا وہ شعر پیش کرنے کی بھی اجازت چاہتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ تکبیرِ رب کے معنی ہی اصل میں 'اللہ کے دین کا بول بالا کرنا' ہے۔ وہ نظام قائم کرنا ہے جس میں آخری سند، آخری اتھارٹی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہو۔ فرمایا ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل — یا خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات
وہ مسلکِ مردانِ خود آگاہ، خدا مست — یہ مذہبِ ملا وجمادات ونباتات

یہ ہے پہلا مرحلہ، جسے ایک مصرع میں جمع کر دیا گیا حضرتِ علامہ نے ؏

بانشۂ درویشی درساز ودمادم زن

لیکن دوسرا مرحلہ بھی ہے۔ اگر معاملہ پہلے مرحلہ ہی میں محدود رہے گا تو یہ خانقاہی نظام بن جائیگا۔ اگر دوسرا مرحلہ نہیں آئے گا تو معاملہ وہ ہو جائے گا جس کے متعلق ابلیس نے اپنے کارندوں کو آخری نصیحت کی تھی ؎

مست رکھو ذکر وفکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

— یہ لگا رہے اپنے ہی مراقبوں میں اندر اپنے ہی چلوں میں۔ یہ کبھی میدان میں آکر مجھے نہ للکارے۔ لیکن اگر یہ ساری تیاری اُس رُوحانی طاقت کے حصول کے لئے ہے کہ اللہ کا دین غالب کر دیا جائے تو ایک مرحلہ آنا ہے جب سرِ بکف میدان میں آنا ہوگا۔ اسی کو علامہ دوسرے مصرع میں بیان کرتے ہیں ؏

چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

یہاں دوسرا مرحلہ بیان ہوا ہے کہ جب پہلا مرحلہ طے کر لو اور تعلق مع اللہ میں پختہ ہو جاؤ تو خود کو سلطنتِ جم پہ دے مارو۔ باطل سے جا ٹکراؤ۔ لیکن اگر پختہ ہوئے بغیر یہ کام کیا جائے گا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے ریت کا گولہ بنا کر شیشے پہ ماردیں تو شیشے کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ البتہ ریت بکھر جائے گی۔ لیکن اگر اسی کو پختہ کر لیا گیا تو جو نتیجہ نکلے گا اُسے اردو میں علامہ نے یوں بیان کیا ہے :-

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

پختگی کے مرحلے سے گزر کر اگر اقدام ہوگا تو کوئی نہ کوئی نتیجہ برآمد ہوگا — میں یہ بھی عرض کر دوں کہ دعوت کا مرحلہ ہو تبلیغ کا مرحلہ ہو یا تربیت کا مرحلہ : ان سب کا مرکز و محور ہے قرآن حکیم ۔ میں نے علامہ ہی کے اشعار کے حوالوں سے بھی یہ باتیں تفصیل سے لکھی ہیں جو میری ایک تقریر "علامہ اقبال اور ہم" نامی کتابچے میں موجود ہیں جو آج کے شرکاء میں ہدیۃً پیش کی گئی ہے ۔ صرف یہ گذارش کروں گا کہ دانشور حضرات کے لیے مشکل ہوتا ہے ۔ کسی اور کی چیز پڑھنا اور مقررین کے لئے مشکل ہوتا ہے کسی اور کی تقریر سننا : اس اعتبار سے مجھے اندازہ ہے کہ دانشور حضرات کے لئے مشکل ہے کہ اس کتابچے کا مطالعہ کریں ، لیکن میں گذارش کروں گا کہ وقت نکال کر اس کو پڑھ لیجئے ۔ معلوم ہو جائے گا کہ ایمان کا منبع و سرچشمہ ہے قرآن ۔ دعوت و تبلیغ قرآن کے ذریعے سے ۔ تزکیہ نفس قرآن کے ذریعہ سے ۔ علامہ کہتے ہیں ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد ، جہاں دیگر شود

یہ قرآن جب ذہن میں اترتا ہے تو ذہن کی تطہیر ہو جاتی ہے اور جب یہ دل میں اترتا ہے تو تزکیۂ نفس ہو جاتا ہے ۔ اس طرح انسان کے فکر و عمل میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے ، وہ ایک بدلا ہوا انسان بن جاتا ہے ؎

جاں چوں دیگر شد ، جہاں دیگر شود

تزکیۂ نفس کے لئے میرے نزدیک سب سے اونچی بات تو یہ ہے جو علامہ نے فرما دی ؎

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است   زانکہ اُو گم اندر اعماقِ دل است

اس ابلیس کو کیسے ماریں گے! وہ تو دل کی گہرائیوں میں جا کر کمین گاہ بناتا ہے۔
یہ دراصل اس حدیثِ رسول ﷺ کا مفہوم ہے ــــ جو علامہ نے اپنے اس شعر میں بیان کیا
اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ "شیطان تو انسان کے وجود میں ایسے سرایت کرجاتا ہے جیسے خون"۔ اس کو کیسے ماریں گے!

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی! کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی!!!!

یہ قرآن وہ شے ہے جو دل کے اندر جاتی ہے اور اندر کے شیطان کو اپنی شمشیر سے مسلمان بنا لیتی ہے۔ اگر زہر وہ ہو جو سارے وجود میں پھیل سکتا ہے تو تریاق بھی وہ درکار ہے جو سارے وجود میں سرائت کرجائے اور وہ تریاق صرف اور صرف قرآن ہے۔

معلوم ہوا دعوت و تبلیغ بذریعہ قرآن، تزکیہ بذریعہ قرآن، تربیت بذریعہ قرآن ان چیزوں پر کس قدر واضح باتیں ہیں جو حضرت علامہ نے آج سے پچاس سال قبل امت کے سامنے پیش کر دی تھیں[1]۔ میں اس موقع پر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا ایک تاثر آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ یہ آج سے قریباً پندرہ سال قبل کی بات ہے۔ مولانا

---

[1] علامہ مرحوم قرآن مجید کے علوم و معارف، اس کے اسرار و رموز، اس کے حِکَم و عبر، اس کے بصائر و تعلیمات، اس کی تاثیر و اعجاز کی طرف کس فصاحت و بلاغت کے ساتھ توجہ دلاتے ہیں

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است | ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا است او | زندہ و پائندہ و گویا ست او
صد جہانِ تازہ در آیات اوست | عصرہا پیچیدہ در آنات اوست

علامہ کو عظمتِ قرآن، اس کی جلالتِ قدر اور رفعتِ شان کا کس درجے احساس و ادراک تھا اسے ذرا توجہ سے سنئے۔ فرماتے ہیں ؎

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم!! | حکمت او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات ـــ! | بے ثبات از قوتش گیرد ثبات!
حرف او را ریب نے، تبدیل نے | آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوعِ انساں را پیامِ آخریں | حاملِ او رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ
رہزناں از حفظ او رہبر شدند | از کتابے صاحبِ دفتر شدند!

آنکھوں کے آپریشن کے لئے لاہور میں مقیم تھے لیکن آپریشن لسٹ میں نام دور تھا۔ لہٰذا فرصت میسر تھی۔ انہوں نے یقیناً علامہ کی کتابیں پہلے بھی پڑھی ہوں گی لیکن اس فرصت میں انہوں نے علامہ کا پورا اردو اور فارسی کلام از ابتدا تا آخر بالالتزام نظر سے گزارا۔ اس کے بعد دو باتیں فرمائیں ـــــ میں نے اس کتابچے میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ دو باتیں اور دونوں ہی نہایت عظمت کی حامل باتیں ہیں ـــــ پہلی بات تو یہ فرمائی کہ "قرآن مجید کے بعض مقامات کے بارے میں مجھے ایک مان تھا کہ میں نے ان کی جو تعبیر کی ہے، اس سے پہلے شاید کسی اور نے کی ہو۔ لیکن میں نے دیکھا کہ علامہ مجھ سے بہت پہلے اور مجھ سے بہت بہتر تعبیر کر چکے ہیں۔" دوسری بات انہوں نے یہ فرمائی کہ علامہ کا کلام پڑھ کر میرا کلیجہ دھنس گیا ہے۔ میری ہمت ٹوٹ گئی ہے۔" میں حیران کہ یہ کیا فرما رہے ہیں! اس کی شرح یہ سامنے آئی کہ مولانا نے فرمایا "میں سوچتا ہوں کہ اگر اقبال جیسا حُدی خواں اس قوم میں ہو کر گزر گیا اور یہ قوم ٹس سے مس نہ ہوئی تو میرے یا کسی اور کے کرنے سے کیا ہوگا!" یہ تھا مولانا کا تاثر ـــــ پچاس برس سے ہم علامہ کو پڑھ رہے ہیں، سن رہے ہیں۔ تقریبات منعقد کر رہے ہیں۔ ان کو طرح طرح سے، ہر سال خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن ذرا سوچئے کہ ہم نے اقبال مرحوم کے اس پیغام کے متعلق کبھی سنجیدگی سے سوچا بھی ہے جو انہوں نے امت کو دیا تھا! اور حقیقی اسلامی نظام کے قیام کے لئے ہم کچھ کرنے کے لئے بھی تیار ہیں یا نہیں! علامہ اقبال کے اس پیغام پر میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں

مثلِ بو قید ہے غنچے میں، پریشاں ہو جا ۔۔۔ رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہو جا
ہے تنک مایہ تو ذرّے سے بیاباں ہو جا ۔۔۔ نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

اقول قولی ھٰذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات